سمجھے اور تقلید جامد سے نکل کر فکر متحرک کو اپنا شعار بنائے۔ کیونکہ ترکِ اجتہاد سے دین کی جوئے رواں جوہڑ بن گئی ہے جو اپنے پیاسوں کو صاف و شفاف پانی مہیا کرنے سے قاصر ہے۔ اب صرف اجتہاد کے ذریعے ہی ایسا ممکن ہے کہ تشنہ لبوں کی سیرابی کا انتظام کیا جائے۔ اسلام قیامت تک کیلئے انسانی ہدایت کی جو ضمانت فراہم کرتا ہے وہ بھی عمل اجتہاد کی صورت میں ممکن ہے، کاش! یہ حقیقت ہمارے اہلِ دانش بھی باور کر سکیں۔

ع اہلِ دانش عام ہیں کمیاب ہیں اہلِ نظر

ہمارا خیال ہے کہ مجلّہ اجتہاد کو سدا اسم بامسمیٰ رکھنے کی ضرورت ہے۔ صاحبانِ فکر و نظر کی جانب سے گاہ بگاہ جو اجتہادی کاوشیں دیکھنے میں آتی ہیں انہیں بایں طور سراہا جائے گا کہ انہیں اس مجلّہ کی زینت بنایا جائے تاکہ اجتہادی فکر پروان چڑھتی رہے اور نئے نئے "مجتہدین" پیدا ہوتے رہیں۔ جی ہاں! مجتہدین اسی طرح پیدا ہو سکتے ہیں۔ کسی نے علامہ اقبال سے کہا تھا کہ آپ Back to the Holy Quran کا تذکرہ بار بار کرتے ہیں، قرآن پڑھانے اور اس کے سمجھانے والے کہاں سے آئیں گے؟ جواباً اقبال نے کہا آپ قرآن قرآن کرتے رہیے قرآن اپنے مفسرین خود پیدا کرے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر خالد مسعود نے بڑی جرأت سے نعرہ اجتہاد بلند کیا ہے جو انشاء اللہ ہر سہ ماہی کو اجتہادی افکار و نظریات کے ساتھ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں پوری شدت کے ساتھ صدائے بازگشت کی صورت گونجتا رہے گا اور دنیائے علم و فضل میں فکری ارتعاش پیدا کرتا رہے گا۔ ہمیں اجتہاد اجتہاد کرتے رہنا چاہیے۔ باقی رہا یہ کہ اجتہاد کرنے والے کہاں سے آئیں گے تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اسی راستے سے آئیں گے جس راستے کو ڈاکٹر خالد مسعود نے اختیار کیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ مجلّہ اجتہاد، اسلام کی اجتہادی روایت کا ترجمان بن کر آسمانِ علم و فضل پر ہمیشہ جگمگاتا رہے۔ آمین

(مدیر اعلیٰ)

خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا کردار

ڈاکٹر محمد شکیل اوج
استاد الفقہ والتفسیر شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

خلع کا حکم قرآن مجید کی جس آیت سے اخذ کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے:

فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ۔ (البقرہ:۲۲۹)

ترجمہ: ”پس اگر تم لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (میاں بیوی) حدود خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس مال کے لینے دینے میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں جو بیوی میاں کو دے کر اپنی جان چھڑائے۔“

اس فقرہ میں ”فلا جناح علیھما“ کے الفاظ کا تعلق متصل الفاظ سے ہے یعنی ”فیما افتدت بہ“ سے مگر لوگوں نے اسے خلع سے جوڑ دیا ہے حالانکہ نفسِ خلع اور چیز ہے اور زرِ فدیہ اور۔ لوگ اس مقام پر غلط مبحث کا شکار ہو گئے ہیں اسی لئے انھوں نے زرِ فدیہ کو خلع کے لئے بطور شرط کے سمجھ لیا ہے حالانکہ ”جناح“ کا لفظ کسی طرح بھی شرط نہیں بنتا۔ یہ لفظ مضائقہ، حرج یا پھر گناہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

پطرس بستانی نے محیط المحیط میں اسے گناہ کا معرب قرار دیا ہے۔

مختصر یہ کہ خلع مال فدیہ کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اور زرِ فدیہ کے ساتھ بھی لیکن اولیٰ مال فدیہ کے بغیر ہی ہے۔ امام کاسانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں خلع کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ ایک خلع بلا بدل اور دوسری بالبدل۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں اگر شوہر نے خلع بلا بدل کی صورت میں لفظ خلع سے طلاق کی نیت کی ہو

تو بلا کسی بدل کے طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ خلع بالبدل کی صورت میں بغیر بدل کے خلع نہ ہوگا۔(۱)

اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ "فلا جناح علیھما" کی ترکیب، مضائقہ و حرج کے مفہوم کے موقوف کئے جانے پر ہی دلالت کرتی ہے، شرط کے مفہوم پر نہیں۔ زوجین کے مابین تفریق کا سبب اور تحریک اگر مرد کی جانب سے واقع ہو تو اصلاً شوہر پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی سے کچھ بھی واپس نہ لے۔

وان اردتم استبدال زوج مكان زوج واتيتم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شيئا.

(النساء:۲۰)

ترجمہ: اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو"۔

لیکن اگر تفریق کا باعث عورت بن رہی ہو تو اس صورت میں شوہر اپنی بیوی سے اپنا دیا ہوا مال و منال یا اس میں سے کچھ واپس لے سکتا ہے۔ جیسا کہ البقرہ ۲۲۹ میں مذکور ہوا۔

قاضی ابن رشد مالکی اندلسی لکھتے ہیں:

"خلع کا فلسفہ یہ ہے کہ خلع عورت کے اختیار میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ مرد کے اختیار میں طلاق ہے۔ چنانچہ جب عورت کو مرد کی طرف سے کوئی تکلیف ہو تو اس کے اختیار میں خلع ہے اور جب مرد کو عورت کی طرف سے تکلیف ہو تو شارع نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے"(۲)۔

ہمارے نزدیک خلع کا عمل میاں بیوی کے مابین گھر کے اندر بھی خوش اسلوبی سے وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے عدالت جانا شرط ہے اور نہ ضروری۔ گو اکثر لوگ اسے شرط یا ضروری قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں تو عورت اس وقت عدالت جاتی ہے جب اُسے اس کی مرضی کے خلاف یعنی زبردستی شوہر کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور جب کوئی عورت عدالت چلی جاتی ہے تو اس کا صاف اور صریح مطلب یہی ہوتا ہے کہ اب وہ اپنے شوہر سے علیحدہ ہونے میں انتہائی سنجیدہ ہو گئی ہے، ورنہ ایک مسلمان عورت اپنا بنا بنایا اور بھرا پُرا گھر چھوڑ کر عدالت کا رُخ کیوں کرے گی؟ عدالت کو چونکہ قرآن کی رو سے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ نفسِ مسئلہ کو دیکھتے فریقِ ثانی کو طلب کرے اور ایک گونہ اطمینان کے بعد ضروری کارروائی فیصلہ کی صورت میں نافذ کر دے۔ چنانچہ وہ فیصلہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے طلاق یا خلع کی صورت میں اور شوہر کے انکار پر فسخ نکاح کی صورت میں نافذ العمل ہو سکتا ہے، مگر یہ سب کچھ اس

وقت ممکن ہے جب شوہر بھی عدالت کے روبرو ہو اور اس کی بیوی بھی۔ اگر شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو اور نہ ہی حاضری کو پسند کرتا ہو تو اس کے اس غیر سنجیدہ رویے پر ہمارے نزدیک عدالت کو فسخ نکاح کا اختیار بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

اذا رای القاضی المصلحة فی الحکم الغائب وعلیه فحکمه ینفذ لانه مجتهد فیه. (۳)

ترجمہ: "جب قاضی غائب کے حق میں یا غائب کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا، کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے"۔

بلکہ ایسے شوہر کے لئے الگ سے کوئی سزا بھی تجویز کی جا سکتی ہے تاکہ عدالتی تقدس پامال نہ ہو۔ جس معاشرے میں عدالتوں کی ضرورت و اہمیت کا لوگوں کو احساس نہ ہو وہاں بدنظمی، لاقانونیت اور ابتری کا راج ہوتا ہے۔ عدالتوں کے مبنی بر دلائل صائب فیصلوں کو تسلیم نہ کرنا یا اس کے برخلاف فتویٰ جاری کرنا ہماری ناقص رائے میں توہین عدالت کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ عدالتوں کا اختیار سماعت اور قضائے قاضی نہ صرف معاشرے کی ضرورت ہے بلکہ اس کا قیام بھی شریعت کے اقتضاء میں سے ہے۔

خلع کے لئے ہرگز ضروری نہیں کہ جب عورت عدالت میں مرافعہ کرے تو شوہر کے خلاف وہ تمام باتیں بھی بیان کرے جن کی بنیاد پر وہ علیحدگی چاہتی ہے کیونکہ زوجین کے مابین بعض امور قابل بیان اور بعض ناقابل بیان ہوتے ہیں اور شریعت اسلامیہ ناگفتنی امور کی پردہ دری نہیں چاہتی۔ اس لئے قاضی عدالت ناپسندیدگی کی وجوہ جاننے میں کھوج کرید بالکل نہ کرے بلکہ محض کا عدالت میں آ جانا ہی اس امر کے لئے کافی سمجھے

ع عقل مند را اشارہ کافی است

جو لوگ اس مسئلہ میں کھوج کرید اور تفتیش و تحقیق کے قائل ہیں، انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے سبق لینا چاہئے جو اسی طرح کے ایک معاملہ میں آپ نے اختیار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت خلع کے لئے جب درخواست گزار ہوئی تو آپ نے عورت کو اولاً شوہر کے پاس واپس جانے کا مشورہ دیا مگر اس نے قبول نہ کیا تو آپ نے اسے ایک ایسی جگہ پر بند کروا دیا جہاں سخت بدبو اور تعفن کی فضا تھی۔ تین دن محبوس رکھنے کے بعد آپ نے اسے پھر وہی مشورہ دیا۔ تب اس نے کہا:

"واللہ! مجھے تو انہی تین دنوں میں راحت نصیب ہوئی ہے جو میں نے شوہر کے بغیر گزارے ہیں"۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلع کی ضرورت کو سمجھ گئے۔ اس لئے آپ نے وجوہ خلع کو جاننے کی کوشش نہیں فرمائی، کیونکہ اس جملے میں شکایات اور شوہر کے ظلم کا ایک جہان آباد تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے شوہر کو بلوایا اور اسے خلع کا حکم دے دیا۔(۴)

دراصل حسن و نکاح کے فوت ہو جانے پر علیحدگی کا حکم جہاں عورت کے آزادانہ حق انتخاب کو تسلیم کرتا ہے وہیں سماج کو ازدواجی زندگی کی ناخوشگواریوں سے بے حال کرنے کا عمل بھی ہے۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قاضی عدالت بجائے تجسس کے اگر کوئی ایسی صورت اختیار کرنا چاہے کہ جس سے اسے اک گونہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ عورت اپنے مطالبہ خلع میں حق بجانب ہے تو وہ کسی ایسی بھی کوئی اور صورت ضرور اختیار کر سکتا ہے۔ تاہم جرح کرے یا ٹریٹ کرے یا جرح بالکل نہیں کر سکتا تا کہ عورت اور مرد کے مابین راز داری کے تعلقات کا افشا نہ ہو اور معاشرے میں کسی کا تمسخر نہ بنے۔ اس طرح عورت کی فطری شرم و حیا کا بھی لحاظ رہے گا۔ مگر افسوس کے ساتھ ہمارا طرز عمل اس کے برعکس ہے۔ بعض مقدمات میں طرفین ایک دوسرے کو یا کوئی ایک فریق دوسرے کو عدالتی جرح کے نتیجے میں رسوا کئے بغیر نہیں رہتا۔

ہمارے نزدیک نہ تو کسی قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کے مطالبہ خلع پر شرعی شہادتوں کے نام پر طرفین کے نجی معاملات و تعلقات کو بے حجاب کرے اور نہ عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے اطمینان کے لئے مرد و عورت بالخصوص عورت پر ایسے سوالات کی بوچھاڑ کرے کہ جس کے نتیجے میں وہ دونوں یا کوئی ایک فریق ضرور رسوا ہو جائے۔

اسی طرح ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر اپنے شوہر سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم اپنے شوہر سے کیوں الگ ہونا چاہتی ہو؟ اس نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! قیس کے دین میں مجھے کوئی عیب نظر نہیں آتا، بس وہ مجھے پسند نہیں ہے اور میں اسلام میں رہتے ہوئے کفر میں مبتلا نہیں ہونا چاہتی"۔(۵)

روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا عورت سے علیحدگی کا سبب جاننا بغرض رسم (اخلاق) معلوم ہوتا ہے نہ کہ بغرض تجسس (قانون) اور اگر رسول اللہ ﷺ اس کے جواب پر عدم اطمینان کا اظہار ضرور فرماتے یا اس کے جواب پر جرح فرماتے۔

اس واقعے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت جب بھی طالب خلع ہو تو قاضی کی نظر اصلاً

وجوہ خلع پر نہیں ہونی چاہئے بلکہ مقصد خلع پر ہونی چاہئے۔

خلع میں عورت کی ذاتی ناپسند بھی اتنی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کہ فقط اسی بنیاد پر علیحدگی جائز قرار دی جا سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر غلام تھا، جس کا نام مغیث تھا۔ (راوی کہتا ہے) گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی عورت کے پیچھے روتا ہوا پھر رہا ہے اور آنسو اس کی داڑھی پر گر رہے ہیں۔ اس صورت حال پر نبی ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا: اے عباس! مغیث کو بریرہ سے جو محبت ہے اور بریرہ کو مغیث سے جو نفرت ہے اس پر تمہیں تعجب نہیں؟ پھر آنحضرت ﷺ نے بریرہ سے فرمایا کاش! تو اپنے شوہر کی طرف پلٹ جاتی۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ حکم ہے؟ فرمایا نہیں، میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں۔ عرض کیا پھر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔(۶)

اس روایت نے بحث مسئلہ کو اور زیادہ صاف اور بے غبار کر دیا ہے۔

لفظ خلع کے استعمال پر ہمارے ہاں جو زور دیا جاتا ہے اگر تو یہ لفظ اس مفہوم کے اظہار و ابلاغ کے لئے مستعمل ہو کہ علیحدگی شوہر کی طرف سے نہیں بلکہ عورت کی طرف سے ہوئی ہے تو بلاشبہ یہ ایک درست اور فیصلہ کن اصطلاح ہے اور ہمیں اور ہماری عدالتوں کو چاہئے کہ وہ خلع کی صورت میں یہی لفظ استعمال کریں تا کہ تمیز ہو سکے کہ شوہر نے عورت کو اپنی زندگی سے نہیں نکالا بلکہ عورت نے اپنے شوہر کو اپنی زندگی سے نکالا ہے۔ ہاں اگر فیصلہ کن حامل کے طور پر عدالتی فیصلے سے میاں بیوی کے درمیان علیحدگی ہوئی ہے تو پھر ہمیں اور عدالت دونوں کو فسخ نکاح یا تنسیخ نکاح کی اصطلاح استعمال کرنی چاہئے تا کہ حقیقت نفس الامری صرف ایک لفظ سے ہی سمجھی جا سکے۔ مگر یہ حقیقت واضح رہے کہ خلع ہو یا فسخ نکاح یا پھر طلاق، تینوں کا حاصل ایک ہے اور وہ ہے تفریق زوجین۔ اس لئے ہم ان فتووں کی صحت پر شک کرتے ہیں جو مقاصد قانون کو نظر انداز کر کے جاری کئے جاتے ہیں اور جو عدالتی فیصلوں کو صرف اس لئے نہیں مانتے کہ انہوں نے بجائے فسخ یا تنسیخ نکاح کے خلع کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ جب تینوں کا ایک نتیجہ ہے تو اس طرح کا فرق کر کے (مثلاً) خلع کو تنسیخ نکاح نہ ماننا اور اصل نفس مسئلہ کو نہ سمجھنے کے برابر ہے۔ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ عدالت کے کسی فیصلے کو محض لفظی جھول کے ذریعے کالعدم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ فیصلوں کی تعمیل میں صرف الفاظ کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اس کی حکمت، روح اور مقصد کو بھی دیکھا جاتا ہے۔

زوجین کے معاملات میں بحیثیت مجموعی عدالت کا کردار فیصلہ کن ہے جو قرآن کے الفاظ سے بالکل

واضح ہے۔ میاں بیوی کے مابین شقاق کی صورت میں مصالحت کا طریقہ کار سورۃ النساء، آیت ۳۵ میں بیان ہوا ہے۔

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله و حكما من اهلها.

ترجمہ: اور اگر تمہیں ان دونوں (میاں بیوی) کے مابین شقاق باہمی کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک پنچ عورت کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کرو"۔

اس میں لفظ "حکم" کے معانی پر علماء وفقہاء دو رائے ہوئے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حکم کا لفظ وکیل یا نمائندہ کے معنی میں ہے اور دوسری رائے کے مطابق حکم کا لفظ فیصلہ کرنے والے (پنچ یا قاضی) کے معنی میں ہے۔ ثانی الذکر رائے کی روشنی میں ضروری ٹھہرتا ہے کہ حکمین کو شقاق باہمی کے سلسلے میں فیصلہ کن عامل (اتھارٹی) قرار دیا جائے۔ ابن عباس، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، شعبی، محمد بن سیرین اور بعض دوسرے حضرات نے یہی رائے اختیار کی ہے۔

ہمارا موقف یہ ہے کہ معاملۂ شقاق اگر گھر میں طے نہ ہو سکے تو عدالت سے رجوع کرنا چاہئے اور عدالت کو چاہئے کہ وہ قرآن حکیم کے مطابق ایک حکم شوہر کے گھر والوں کی طرف سے اور ایک حکم بیوی کے گھر والوں کی طرف سے مقرر کرے اور یہ عدالتی تقرر بجائے خود اس امر کی دلیل ہوگا کہ حکمین زوجین کے درمیان حتمی اور قطعی فیصلہ کرنے کے مجاز کر دیئے گئے ہیں۔ یہ امر فابعثوا اور حکما کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔

اس آیت سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ شقاق باہمی کے معاملات جو علیحدگی پر بھی منتج ہو سکتے ہیں اس کے لئے کسی بھی اسلامی معاشرے کے لئے بڑی عدالت دو ججوں پر مشتمل ایک خصوصی عدالت قائم کر سکتی ہے جو طرفین کے رشتہ داروں پر مشتمل ہو، اس تقرری میں ہمارے نزدیک دو خاندانوں کے رازوں کی حفاظت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ مطلب یہ کہ شریعت اصولی طور پر یہ بات زیادہ پسند کرتی ہے کہ طرفین کے اختلافات اجنبی ماحول میں فیصل ہونے کی بجائے مانوس ماحول میں فیصل ہوں۔ گویا پردے اور رازکی باتیں، صاحب معاملہ کے گھر والوں تک ہی محدود رہیں، عام نہ ہوں تا کہ معاشرے کی فضا مکدر نہ ہو۔

امین احسن اصلاحی نے لکھا ہے کہ "کوئی معاملہ عدالت میں جانے کے بعد عدالت کی طرف سے کسی پنچایت کے حوالے کر دیا جائے اور عدالت پنچایت کو فیصلہ کرنے کا اختیار بھی تفویض کر

دے"۔(۷)

اصلاحی صاحب کی تحریر کے مطابق اختیار تفویض کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمین تفویض اختیار کے بغیر فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ ہاں تفویض کے بعد اس اختیار کے مالک ہو سکتے ہیں۔ گو ایک پہلو سے یہ بات بھی درست قرار دی جا سکتی ہے مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکمین کا عدالتی تقرر بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ فیصلے کے مجاز و مختار کر دیئے گئے ہیں کیونکہ لفظ حکمین میں تفویض اختیار کا مفہوم آپ سے آپ ظاہر ہے۔ اس باب میں حکمین کا فیصلہ در اصل عدالت ہی کا فیصلہ ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔

امام راغب اصفہانی نے حکم کی وضاحت اس طرح کی ہے۔

"حکم (منصف) یا حاکم کو کہتے ہیں اور حکم، حاکم سے زیادہ بلیغ ہے اور آیت میں حاکما کی بجائے حکما کہنے سے اس امر کی آگہی مقصود ہے کہ وہ حکم مقرر کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں تفصیلات کی جانب مراجعت کئے بغیر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کریں خواہ وہ فیصلہ زوجین کی مرضی کے موافق ہو یا مخالف"۔(۸)

اور مفتی احمد یار خان نعیمی نے لکھا ہے کہ:

"حاکم عام فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ حکم خاص فیصلہ کرنے والے کو جسے اردو میں پنچ کہتے ہیں"۔(۹)

حکم کے لفظ کو ہمارے اردو مترجمین نے مختلف لفظوں میں نمایاں کیا ہے۔ اکثر مترجمین نے منصف اور پنچ کا لفظ استعمال کیا ہے تاہم غلام احمد پرویز نے حکم کا ترجمہ ثالث سے کیا ہے اور وارث سرہندی نے بھی اردو لغت میں ثالث کے معنی منصف اور پنچ لکھ کر تینوں کو ایک دوسرے کا مترادف قرار دیا ہے۔ محمد علی نے اس کا ترجمہ فیصلہ کرنے والے سے کیا ہے۔ جب کہ اشرف علی تھانوی نے حکم اسے قرار دیا ہے جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو اور ہمارے بعض مترجمین نے حکم کو حکم ہی رہنے دیا ہے، اسے کسی دوسرے لفظ سے واضح نہیں کیا ہے مثلاً عبد الماجد دریابادی، ابوالاعلیٰ مودودی اور ذیشان حیدر جوادی وغیرہ۔

مقصود کلام یہ کہ "حکم" کا لفظ اپنے متعدد تراجم سے ایک ہی حقیقت کا پتہ دے رہا ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ حکم فیصلہ کی مجاز اتھارٹی کا نام ہے۔

بلکہ امام ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی (متوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں:

"امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ حاکموں کے فیصلے کے لیے زوجین کی رضا کی بھی ضرورت نہیں ہے"۔(۱۰)

اور جسٹس تنزیل الرحمٰن نے لکھا ہے کہ "اگر فریقین میں ناچاقی ہو تو اس کا فیصلہ کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے اور خلع کرنا چاہیے کہ کوئی تیسرا شخص ہی کر سکتا ہے اور ایسی صورت میں خلع عدالت کے ذریعے کرایا جا سکتا ہے"۔

ذرا آگے چل کر لکھا ہے:

"ایک مشہور مقدمہ بلقیس فاطمہ بنام نجم الاکرام (پی ایل ڈی ۱۹۵۹ء، لاہور، ۵۶۶) میں فاضل ججان جسٹس شبیر احمد، جسٹس بی زیڈ کیکاؤس اور جسٹس مسعود احمد صاحبان نے یہ قرار دیا کہ اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت (بیوی سے مناسب معاوضہ دلوا کر) خلع کرا سکتی ہے۔ یہ نقطہ نظر صحت پر مبنی ہے اور اسی نقطہ نظر کو سپریم کورٹ (پاکستان) نے بمقدمہ خورشید بیگم اختیار کیا ہے۔ (پی ایل ڈی ۱۹۶۷ء، سپریم کورٹ، صفحہ ۹۷)(۱۱)

ہمارا مدعا اختصاراً یہ ہے کہ اگر کوئی عورت خلع کے لئے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے تو عدالت کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کو اس کا حق دلائے یعنی اسے اس کے شوہر سے لازماً آزاد کرائے۔ ذخیرہ روایات میں ہمیں کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی کہ جس میں عورت کو اس کے مطالبہ خلع پر شوہر سے آزادنہ کرایا گیا ہو، کیونکہ خلع کا قانون جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے، یہ علیحدگی، جدائی اور مفارقت ہی اس کا جوہری تقاضا ہے جو لوگ مقصد نکاح سے کما حقہ واقف ہیں وہ ایسی حماقت کبھی نہیں کر سکتے کہ عورت کے مطالبہ خلع کو شوہر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں، اس لئے خلع کے معاملات میں ضروری ہے کہ عدالت شوہر کو بلوائے اور اسے طلاق دینے کا حکم دے، اگر شوہر عدالتی حکم کے تحت اپنی عورت کو چھوڑ دے تو فبہا ورنہ عدالت اپنا حق قضا استعمال کرتے ہوئے دونوں کے مابین تفریق کرا دے۔

یہاں اس امر کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں کہ خلع بالبدل بھی ہو سکتا ہے اور بلابدل بھی۔ اسی بدل کو قرآن کریم نے "فیما افتدت بہ" کے الفاظ سے اور بدل کے لین دین کو "فلا جناح علیھما" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، یہی وہ بدل ہے جس کی وجہ سے خلع میں شوہر کی رضامندی کا عنصر تسلیم کیا گیا ہے اور اگر عدالتی حکم کے تحت خلع بلابدل واقع ہو رہا ہو تو اس میں شوہر کی رضامندی قطعاً ضروری نہیں ہے بلکہ شوہر کا عدالت میں نہ آنا ہی اس امر کو مستلزم ہے کہ خلع بلابدل واقع ہو۔ اور یہی حال

تنسیخ نکاح کا ہے کیونکہ یہ وہ عدالتی اختیار ہے جو شوہر کی رضامندی کے حصول میں ناکامی کے بعد استعمال کیا جاتا ہے اور یہی وہ اختیار ہے جس کی رو سے ستم رسیدہ عورت کو اس کے شوہر سے علیحدگی کی ضمانت فراہم ہوتی ہے، اگر عدالت کو اس حق سے محروم کر دیا جائے تو خود سوچئے کہ پھر عورت کی دادرسی کس طرح ممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ اس طرح وہ اپنے شوہر کے پنجہ ظلم و ستم سے کبھی آزاد نہ ہو سکے گی۔ اس لئے ہمارے نزدیک خلع اور فسخ نکاح میں عدالت کا فیصلہ کن کردار تسلیم کرنا ہی شرعاً وعقلاً ہر دو اعتبار سے ضروری بلکہ انتہائی ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱) البحر الرائق، ج ۴، ص ۱۵۱، علامہ ابن نجیم، مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ، جلد ۴، ص ۷۷
۲) بدایۃ المجتہد، ج ۲، ص ۶۸، مطبوعہ مصر ۱۳۷۹ھ
۳) فتح القدیر، ج ۵، ص ۳۶۸-۳۶۹، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۴) کشف الغمہ، ج ۲، بحوالہ حقوق الزوجین، ص ۶۹، سید ابوالاعلیٰ مودودی
۵) الصحیح البخاری، الجلد الثانی، باب الخلع وکیف الطلاق فیہ
۶) الصحیح البخاری، باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرہ
۷) تدبر قرآن، ج ۲، ص ۲۹۲، تفسیر زیر آیت النساء ۳۵
۸) المفردات فی غریب القرآن، کتاب الفاء، نور محمد تجارت کتب، کراچی (س۔ن)
۹) اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر نعیمی، ج ۵، ص ۶۲، مکتبہ اسلامیہ لاہور
۱۰) زاد المسیر، ج ۲، ص ۷۷-۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی، بیروت ۱۳۰۷ھ
(۱۱) مجموعہ قوانین اسلام، جلد دوم، ص ۵۹۲ تا ۵۹۷، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، طبع سوم ۱۹۸۹ء

غیر حنفی مذہب پر فتویٰ دینے کی تحقیق

علامہ غلام رسول سعیدی
شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی

معاشرتی بدعنوانیوں کی گیارہ صورتوں میں امام مالک کے مذہب کے مطابق عائلی احکام:

6 ربیع الآخر 1318ھ کو مفتی المالکیہ شیخ الجامع الازہر نے گیارہ معاشرتی مسائل میں امام مالک کے مذہب کی نصوص پر مشتمل ایک فتویٰ جاری کیا جس کی جامع ازہر کے تمام علماء نے تصدیق کی ہے، جن میں حنفی علماء بھی شامل ہیں۔ اس فتویٰ کو مصری وزارت اوقاف نے فتاویٰ اسلامیہ میں شائع کیا ہے۔ اس فتویٰ سے پہلے علماء ازہر نے فقہ حنفی سے اس پر تصریحات پیش کی ہیں کہ ضرورت کے وقت دوسرے مذہب پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ہم اس فتویٰ کی عربی عبارت کا مکمل ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

(۱) خاوند کے نفقہ نہ دینے کی صورت میں فسخ نکاح:

جب خاوند اپنی زوجہ کا نفقہ نہ دے تو اگر اس کا مال ظاہر ہو تو اس سے خرچ دینے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اس کا مال ظاہر نہ ہو اور وہ یہ نہ بتائے کہ وہ امیر ہے یا غریب ہے لیکن خرچ نہ دینے پر اصرار کرے تو قاضی اس کو فی الحال طلاق دے دے، اگر وہ عجز کا دعویٰ کرے اور عجز کو ثابت نہ کر سکے تب بھی فوراً طلاق دے دے اور اگر خاوند اپنے عجز عن النفقہ کو ثابت کر دے تو اسے مہلت دے جو ایک ماہ سے زائد نہ ہو اگر وہ ایک ماہ تک نفقہ نہ دے تو اس کے بعد اس کو طلاق دے دے۔

(۲) مرض یا قید کی وجہ سے نفقہ نہ دینے کی صورت میں فسخ نکاح:

اگر خاوند مریض ہو یا قید میں ہو اور بیوی کو نفقہ نہ دے سکے تو قاضی اس کو اتنی مہلت دے جس

میں اس کے شفایاب ہونے یا قید سے چھوٹنے کی توقع ہو اگر مرض کی مدت اتنی بڑھ جائے یا قید کی مدت اتنی زیادہ ہو جس سے عورت کو ضرر پہنچے یا اس کو فتنہ لاحق ہونے کا خدشہ ہو تو قاضی اس پر طلاق واقع کر دے۔ فرض کیجئے ایک نوجوان عورت کے خاوند کو کسی جرم میں عمر قید یا بیس سال کی سزا ہو جاتی ہے یا وہ لاعلاج بیماری مثلاً خطرناک پاگل پن میں مبتلا ہو جاتا ہے اور خاوند کا کوئی مال نہیں ہے جس سے بیوی خرچ اٹھا سکے اور وہ آبرومندی سے کسب معاش پر بھی قادر نہیں ہے، اس صورت میں مالکی مذہب کے اس فتویٰ پر عمل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

(۳) کسی قریبی جگہ جانے کی وجہ سے نفقہ نہ دینے کی صورت میں فسخ نکاح:

اگر خاوند کسی قریبی جگہ چلا جائے اور اپنی بیوی کے لیے نفقہ نہ چھوڑے تو قاضی معروف طریقوں سے اس کو اطلاع دے اور نفقہ بھیجنے کے لیے ایک معین مدت تک مہلت دے۔ اگر خاوند مدت مقررہ تک نہ آئے یا نفقہ نہ بھیجے تو قاضی طلاق دے دے۔ اگر خاوند کی جگہ گھوڑے کی رفتار سے دس دن کی مسافت یا اس سے زیادہ ہو یا وہ جگہ نامعلوم ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ عورت کے لیے مال نہیں ہے تو قاضی فی الفور طلاق نافذ کر دے۔

(۴) لاپتا خاوند کے مال سے زوجہ کے نفقہ لینے کا حق:

جب لاپتا خاوند کا مال ہو یا کسی پر اس کا قرض ہو یا کسی کے پاس اس کی امانت ہو تو زوجہ کا حق ہے کہ وہ اس مال یا اس امانت اور قرض سے اپنا نفقہ (بمقدار قرض) طلب کرے لیکن عورت کو اس پر گواہ پیش کرنے ہوں گے کہ وہ نفقہ کی مستحق ہے اور خاوند نے اس کے نفقہ کے لیے مال چھوڑا ہے نہ کوئی وکیل۔

(۵) قاضی کی نافذ کردہ طلاق رجعی ہوگی:

خاوند کے نفقہ نہ دینے کی بناء پر قاضی جو طلاق نافذ کرے گا وہ رجعی ہوگی اور خاوند کیلئے جائز ہے کہ وہ دوران عدت نفقہ دے کر رجوع کرے، اگر اس نے نفقہ نہیں دیا تو رجوع صحیح نہیں ہوگا۔

(۶) خاوند کے لاپتا (مفقود) ہونے کی صورت میں فسخ نکاح:

جو شخص مسلمانوں کے شہروں میں گم ہو جائے اور اس کی بیوی کو اس کی کوئی خبر نہ ملے تو اس کی بیوی کو حق ہے کہ وہ حاکم کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے اور جہاں جہاں اس کا خاوند اس کے گمان میں جا سکتا ہے اس سے مطلع کرے اور حکام اور پولیس اس کی تفتیش کریں اور جب اس کو تلاش کرنے سے سب

عاجز آجائیں تو پھر حاکم اس کے لیے چار سال کی مدت مقرر کرے، جب یہ مدت ختم ہو جائے تو اس کے بعد چار ماہ دس دن تک عدت وفات گزارے، اس کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے شادی کر سکتی ہے۔

(۷) عورت کے نکاح کرنے کے بعد اگر وہ شخص لوٹ آئے تو وہ عورت کس کے نکاح میں رہے گی؟

جب مفقود لوٹ آئے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ زندہ ہے اور ابھی دوسرے شخص نے اس سے مقاربت نہیں کی تھی اور نہ ہی اس کو مفقود کے زندہ ہونے کا پہلے علم تھا تو اب یہ مفقود کی زوجہ ہے خواہ عقد نکاح ہو چکا ہو اور اگر دوسرے شوہر کو مفقود کی حیات کا علم تھا تو اس نے مقاربت کی ہو یا نہ کی ہو، مفقود کے لوٹ آنے کے بعد وہ مفقود کی بیوی ہوگی اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مفقود دوران عدت فوت ہو چکا یا عدت کے بعد دوسرے نکاح سے پہلے فوت ہوا ہے یا عقد کے بعد مقاربت سے پہلے فوت ہوا ہے تو وہ عورت مفقود کی وارث ہو سکتی ہے اور اگر مقاربت کے بعد فوت ہوا ہے جس حال میں کہ دوسرے شوہر کو اس کی حیات کا علم نہیں تھا تو اب یہ وارث نہیں ہوگی۔

(۸) جو شخص آپس کی جنگ میں لاپتہ ہو اس کی بیوی چار سال کی مدت گزارے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔

جو شخص مسلمانوں کی آپس کی جنگ کے دوران گم ہوا اور یہ ثابت ہوا کہ وہ لڑائی کے وقت موجود تھا اس کی بیوی کو یہ حق ہے کہ وہ حاکم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرے اور جب حاکم کو تفتیش کے بعد اس کا پتہ نہ چلے تو وہ بغیر کسی مدت کے عدت وفات گزارنے کا حکم دے، اور عدت وفات کے بعد وہ دوسری شادی کر سکتی ہے اور صرف پتہ نہ چلنے کی وجہ سے وہ اس کی وارث ہو جائے گی لیکن اگر یہ ثابت نہ ہو کہ وہ لڑائی کے وقت موجود تھا بلکہ صرف یہ پتہ چلے کہ وہ لشکر کے ساتھ گیا تھا تو اس کی بیوی کا سابق حکم ہے۔

(۹) اگر میدان جہاد میں مفقود گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال مدت گزارے گی:

اگر کوئی شخص میدان جہاد میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی حاکم کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرے اور حاکم تفتیش کے بعد اس کو ایک سال ٹھہرنے کا حکم دے، ایک سال کے بعد وہ عدت وفات گزارے اور اس کے بعد وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے اور ایک سال کے بعد وہ اس کے مال کی وارث ہو جائے گی۔

(۹ الف) اگر مفقود کی بیوی کے پاس خرچ نہ ہو یا فتنہ کا خدشہ ہو تو قاضی فوراً طلاق نافذ کرے:

مفقود کی جن صورتوں میں مدت گزارنے کا بیان ہے ان صورتوں میں اس وقت مدت گزارنے کا حکم دیا جائے گا جب عورت کے پاس مفقود کا اس قدر مال ہو جس کو وہ دوران عدت خرچ کر سکے یا اس عورت کو اس مدت کے دوران کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہو اور اگر اس کے پاس مفقود کا

اتنا مال نہ ہو یا فتنہ کا خدشہ ہو (مثلاً نوجوان عورت گھر میں اکیلی ہو اور اس کی حفاظت کیلئے کوئی محرم میسر نہ ہو اور اس پر آشوب دور میں ایسی عورت کی عصمت اور عفت کو شدید خطرہ ہے، از سعیدی) تو وہ قاضی کے پاس اپنا معاملہ پیش کرے اور جب قاضی کے نزدیک اس کے دعویٰ کی صحت ثابت ہو جائے تو وہ فوراً اس پر طلاق نافذ کرے۔

مفتی مالکیہ شیخ الجامع الازہر نے جو یہ فتویٰ دیا ہے یہی قرین قیاس ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی نے اس صورت میں کسی مالکی عالم کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ اس صورت میں حاکم عورت کو ایک سال ٹھہرنے کا حکم دے۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص 162 مطبوعہ دار الاشاعت 1987ء)

یہ قرین قیاس نہیں ہے نہ اس کی کتب مالکیہ میں تائید ہے کیونکہ جس کے پاس خرچ نہیں ہے وہ ایک سال کیسے گزارے گی اور جس کی عصمت کو خطرہ لاحق ہے اس کو ایک سال تک اس خطرے میں مبتلا رہنے کا حکم کیونکر دیا جائے گا؟ نیز مالکی، شافعی اور حنبلی مذہب میں اعسار (تنگی نفقہ) کی بناء پر علی الفور تفریق کر دی جاتی ہے۔

(۱۰) ناچاقی کی صورت میں جب کسی طرح صلح نہ ہو تو قاضی طلاق نافذ کر سکتا ہے:

جب زوجین میں شدید نزاع ہو اور قرآن مجید میں بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ان میں صلح ممکن نہ ہو تو یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے پھر وہ دو منصف مقرر کرے، ایک زوج کی جانب سے اور دوسرا زوجہ کی جانب سے اور افضل یہ ہے کہ وہ دونوں پڑوسی ہوں اگر رشتہ دار نہ مل سکیں تو اجنبی مقرر کر دیے جائیں اور ان منصف نمائندوں کو زوجین کے پاس بھیجا جائے اگر وہ ان میں صلح کرانے میں کامیاب ہو جائیں تو فبہا ورنہ وہ طلاق کا فیصلہ کریں اور اس وقت قاضی پر لازم ہے کہ وہ منصفین کے فیصلہ کے مطابق طلاق نافذ کرے، یہ طلاق بائنہ ہوگی۔

(۱۱) خاوند کے مظالم کی بناء پر عورت قاضی سے طلاق حاصل کر سکتی ہے:

اگر زوجہ کو خاوند سے ضرر ہو تو وہ قاضی سے طلاق حاصل کر سکتی ہے، ضرر سے مراد وہ امور ہیں جو شرعاً جائز نہیں ہیں، مثلاً بغیر سبب شرعی کے خاوند عورت سے علیحدہ رہے یا بغیر سبب شرعی کے مار پیٹ اور گالم گلوچ کرے۔ عورت ان چیزوں کو قاضی کے سامنے ثابت کر کے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔

(المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیہ مصر، الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ ج ۲ ص ۳۹۱ – ۸، مطبوعہ قاہرہ مصر ۱۴۰۰ھ)

عدم نفقہ اور ضرر کی بناء پر طلاق میں قرآن اور حدیث سے دلائل:

مفتی مالکیہ اور شیخ الجامع الازہر نے جن گیارہ صورتوں میں عورت کو خاوند سے طلاق حاصل کرنے کا حق مالکی مذہب کے مطابق بیان کیا ہے، ان میں سے پہلی نو صورتیں وہ ہیں جن میں خاوند کے نفقہ نہ دینے یا نفقہ پر عدم مقدرت کی وجہ سے قاضی کو طلاق دینے کا حکم دیا گیا ہے اور گیارہویں صورت وہ ہے جس میں خاوند کے ظلم اور ضرر کی بناء پر قاضی کو طلاق دینے یا نکاح فسخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان دس صورتوں کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (البقرۃ: ۲۳۱)

ترجمہ: اپنی عورتوں کو حسن سلوک سے اپنے نکاح میں رہنے دو ورنہ ان کو شائستگی سے رخصت کر دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے قصد سے نکاح میں نہ رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرے گا"۔

اور عورت کو نفقہ نہ دینا بھی ضرر اور زیادتی ہے اور اس پر ظلم کرنا بھی ضرر اور زیادتی ہے اور اگر خاوند اس ضرر اور زیادتی سے باز نہ آئے تو حکام پر واجب ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دیں۔ اس سلسلے میں علامہ قرطبی مالکی نے اس آیت کی جو تشریح اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے اس کے مطالعہ سے مسئلہ کی مزید وضاحت ہوگی۔ نیز سنن بیہقی اور سنن دار قطنی سے ہم اس بحث کے شروع میں باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ نہ دے سکے، ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

عدم النفقہ کی بناء پر تفریق کے ثبوت میں آثار صحابہ و تابعین:

امام عبد الرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال: کتب عمر الی امراء الاجناد ان ادع فلانا و فلانا، ناسا قد انقطعوا من المدینۃ و خلوا منھا فاما ان یرجعوا الی نسائھم واما ان یبعثوا الیھن بنفقۃ واما ان یطلقوا و یبعثوا بنفقۃ ما مضی.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے امراء کی طرف لکھا کہ فلاں، فلاں شخص مدینہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور اپنی بیویوں سے غائب ہیں، ان سے کہو کہ یا تو اپنی بیویوں کے پاس لوٹیں یا ان کا خرچ بھیجیں ورنہ ان کا پچھلا خرچ بھیج کر انہیں طلاق دے دیں۔

(حافظ عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ، المصنف ج ۷ ص ۹۲-۹۳، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۲ھ)

عن ابن المسیب قال: اذا لم یجد الرجل ما ینفق علی امراتہ اجبر علی ان یفارقھا.

ترجمہ: ابن مسیب کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس اس کی بیوی کا خرچ نہیں ہو تو اس کو طلاق پر مجبور کیا جائے گا۔ (ایضاً ص ۹۶)

عن ابی الزناد عن ابن المسیب قال سالت عن الرجل لا یجد ما ینفق علی امراتہ قال: یفرق بینھما، قال: سنۃ قال: نعم سنۃ

ترجمہ: ابو الزناد کہتے ہیں میں نے ابن مسیب سے پوچھا جس شخص کے پاس اس کی عورت کا نفقہ نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ ابن مسیب نے کہا: ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ میں نے پوچھا: کیا یہ سنت ہے؟ کہا: ہاں سنت ہے۔ (ایضاً)

عن حماد قال اذا لم یجد ما ینفق الرجل علی امراتہ یفرق بینھما.

ترجمہ: حماد کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کے پاس اس کی بیوی کا نفقہ نہ ہو تو ان میں تفریق کر دی جائے گی۔ (ایضاً)

چار سال یا ایک سال بعد مفقود کو مردہ قرار دینے کے ثبوت میں آثار صحابہ و تابعین:

امام ابوبکر بن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان قالا فی امراۃ المفقود تربص اربع سنین وتعتد اربعۃ اشھر و عشرا.

ترجمہ: سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا مفقود کی عورت چار سال ٹھہرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزارے۔

(حافظ ابوبکر عبد اللہ بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ، المصنف ج ۴ ص ۲۳۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶ھ)

عن سعید بن المسیب فی الفقید بین الصفین تربص امراتہ سنۃ

ترجمہ: جو شخص صفوں کے درمیان سے گم ہو جائے اس کی بیوی کو سعید بن مسیب ایک سال ٹھہرنے کا حکم دیتے تھے۔ (ایضاً ص ۲۳۸)

حکمین کی تفریق کے ثبوت میں آثار صحابہ و تابعین:

امام عبد الرزاق بن ہمام روایت کرتے ہیں:

عن عبیدۃ السلمانی شھدت علی بن ابی طالب وجاءتہ امراۃ و زوجھا مع کل واحد منھما فئام من

الناس فاخرج هؤلاء حكما من اهله وهؤلاء حكما فقال علي للحكمين: اتدريان ما عليكما؟ ان رأيتما ان تفرقا فرقتما وان رأيتما ان تجمعا جمعتما، فقال الزوج: اما الفرقة فلا، فقال علي: كذبت، والله لا تبرح حتى ترضى بكتاب الله لك وعليك، فقالت المرأة: رضيت بكتاب الله لي وعلي.

ترجمہ: عبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ ایک عورت اور اس کا خاوند آیا اور ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی ایک فریق نے اپنا حکم (منصف) مقرر کیا اور دوسرے فریق نے بھی اپنا حکم مقرر کیا، حضرت علی نے دونوں حکموں سے کہا اگر تمہاری رائے میں ان کی علیحدگی درست ہو تو ان کو علیحدہ کر دینا اور اگر تمہاری رائے میں ان کا ساتھ رہنا درست ہو تو ان کو ساتھ رہنے کا حکم دینا۔ خاوند نے کہا علیحدگی کا فیصلہ مت کرنا! حضرت علی نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو، بخدا تم اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک کہ کتاب اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے حق میں ہو یا خلاف۔ عورت نے کہا میں کتاب اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، خواہ میرے حق میں ہو یا خلاف۔

(حافظ ابو بکر عبد اللہ بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ المصنف ج ۹ ص ۵۱۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶ھ)

عن ابن عباس قال: بعثت انا ومعاوية حكمين فقيل لنا: ان رأيتما ان تجمعا جمعتما وان رأيتما ان تفرقا فرقتما، قال معمر وبلغني ان الذي بعثهما عثمان

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور معاویہ کو حکم بنا کر بھیجا گیا اور ہمیں ہدایت دی گئی کہ اگر تمہاری رائے میں ان کا اجتماع درست ہو تو ان کو جمع کر دو اور اگر تمہاری رائے میں ان کی تفریق درست ہو تو ان میں تفریق کر دو۔ معمر کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ ان کو بھیجنے والے حضرت عثمان تھے۔ (ایضاً، جلد ۹ ص ۵۱۲)

عن الشعبي قال: ان شاء الحكمان فرقا وان شاء جمعا

ترجمہ: شعبی بیان کرتے ہیں کہ دونوں حکم اگر چاہیں تو جمع کریں اور اگر چاہیں تو تفریق کر دیں۔

(ایضاً ص ۵۱۲)

عن ابي سلمة ان شاء الحكمان ان يفرقا فرقا وان شاء ان يجمعا جمعا

ترجمہ: ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر دونوں حکم تفریق کرنا چاہیں تو تفریق کر دیں اور اگر جمع کرنا چاہیں تو جمع کر دیں۔ (ایضاً ص ۵۱۳-۵۱۲)

مفتی المالکیہ شیخ الجامع الازہر نے عدم انفاق، مفقود، ظلم، ضرر کی ان صورتوں میں مذہب مالکیہ

کے مطابق قاضی کے طلاق نافذ کرنے اور حکمین کی تفریق کا جو جواز بیان کیا تھا ہم نے اس کے ثبوت میں قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ و تابعین سے متعدد حوالے بیان کر دیئے ہیں تا کہ کسی شخص کو یہ خیال نہ ہو کہ ان صورتوں میں صرف امام مالک کے اقوال پر فتویٰ لگانا ہے۔

علاوہ ازیں ائمہ احناف نے ضرورت کے مواقع پر دوسرے ائمہ کے اقوال اور خصوصاً امام مالک کے قول پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کے بارے میں ہم یہاں فقہاء احناف کی آراء نقل کر دیں۔

مذہب غیر پر افتاء اور قضاء کے بارے میں فقہاء احناف کی آراء:

مذہب غیر پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں:

ان الحكم ثلاثة انواع منه ما لا يصح اصلا وان نفذه الف قاض وهو ما خالف كتابا او سنة مشهورا او اجماعا ومنه ما ثبت فيه الخلاف قبل الحكم ويرتفع بالحكم حتى لو رفع الى قاض آخر لا يراه امضاه ومنه ما ثبت الخلاف بعد الحكم اي وقع الخلاف في صحة الحكم به فهذا ان رفع الى قاض آخر فان كان لا يراه ابطله وان كان يراه امضاه

ترجمہ: قاضی کے حکم کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس میں اس کا حکم بالکل صحیح نہیں ہے خواہ ہزار قاضی اس حکم کی توثیق کر دیں، یہ وہ حکم ہے جو کتاب اللہ، سنت مشہورہ یا اجماع کے خلاف ہو۔ دوسری قسم وہ ہے جس میں قاضی کے حکم سے پہلے مجتہدین کا اختلاف ہو۔ ایسا حکم جب دوسرے قاضی کے پاس جائے تو وہ اس کو نافذ کر دے خواہ اس دوسرے قاضی کے نزدیک (یعنی اس کے مذہب میں) وہ حکم صحیح نہ ہو۔ تیسری قسم وہ ہے جس میں قاضی کے حکم کے بعد اختلاف پیدا ہوا ہو ایسا حکم جب دوسرے قاضی کے پاس جائے تو اگر وہ اس کو جائز سمجھتا ہو تو نافذ کرے اور اگر ناجائز سمجھتا ہو تو اس حکم کو باطل کر دے۔

(علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، رد المحتار ج ۳ ص ۳۵۵ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ شامی نے دوسری قسم کی ایک اور جگہ اسی بحث میں یہ مثال دی ہے کہ ایک شافعی قاضی توبہ کے بعد محدود فی القذف کی شہادت پر فیصلہ کرے اور یہ فیصلہ حنفی قاضی کے پاس آئے تو وہ اس کو نافذ کر دے ہر چند کہ یہ فیصلہ حنفی قاضی کے مذہب کے خلاف ہے۔ (ایضاً ص ۳۵۵)

مذہب غیر پر قضاء کی دوسری شکل یہ ہے کہ قاضی مجتہد ہو اور دوسرے امام اور مجتہد کی رائے اس